فقہی استنباط میں مختلف علوم کے اثرات

از: علامہ محمد تقی جعفری

مرحوم علامہ محمد تقی جعفری رضوان اللہ تعالیٰ علیہ ایک عارف بے نیاز، فقیہ، متکلم، ماہر فلسفی اور نمایاں مغرب شناس شخصیت کے حامل تھے اور اصولی ترین اسلامی موقفوں کی تفسیر اور ان کے سلسلے میں بحث و مباحثہ سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ ایک کم نظیر و آزاد خیال مفکر کی حیثیت سے وہ مشرق و مغرب کے پیچیدہ ترین فلسفیانہ مکاتب فکر کا بھرپور تنقیدی تجزیہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جلال الدین محمد بلخی جیسے جلیل القدر فلسفی کے افکار کا بھی انہوں نے باقاعدہ تجزیہ کیا۔ حضرت علی علیہ السلام کے خطبات، فرامین اور کلمات قصار پر مشتمل کتاب نہج البلاغہ کی شرح و تفسیر ایسا گرانقدر علمی سرمایہ ہے جو انہیں اپنے دور کی نمایاں علمی شخصیتوں کی صف میں کھڑا کر دیتی ہے اور اس بات کی چنداں ضرورت بھی باقی نہیں رہ جاتی کہ ان کی دیگر اہم تصنیفات و تالیفات کا ذکر کیا جائے۔

علامہ جعفری مرحوم نے زندگی کے کسی حصہ میں سیاست سے علیحدگی و کنارہ کشی کے فلسفہ سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔ چنانچہ اسلامی انقلاب کی تاریخ کے حالیہ دور میں جب کچھ نام نہاد مذہبی روشن فکروں نے اسلامی شریعت کے ثابت اصولوں کے خلاف مسلسل بزدلانہ حملات کا سلسلہ شروع کیا تو علامہ جعفری نے اپنے مدلل مقالات کے ذریعہ اس کا بھرپور دفاع کیا۔ درج ذیل مقالہ عصر حاضر کے نہایت حساس موضوع پر علامہ جعفری کی ایک مدلل تقریر ہے جو انہوں نے چھ سال قبل مدرسہ عالی، شہید مطہری میں کی تھی۔

مکتب اسلام کے ایسے عقائد، احکام، اخلاقیات اور ثقافتی عناصر سے ہوتی ہے جو عمدہ وشائستہ انسانی زندگی کے لئے بہت ضروری ہیں اور انسان کی زندگی ان سے جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ دنیا کے ماہر فلاسفہ و متکلمین حتی فقہا بھی اس اعتقاد کے حامل ہیں کہ عقائد کا استدلال ہونا لازمی ہے (بالنظر و الاستدلال لا بالتقلید) کبھی یہ استدلال خواجہ نصیر اور ابن سینا کے ذریعہ سامنے آتا ہے اور کبھی سوت کاتنے والی اس بوڑھی عورت کو اپنے چرخے سے ہاتھ ہٹا کر خداوند عالم کے وجود کے اثبات کا دعویٰ کرنا پڑتا ہے۔ بہر حال مجموعی طور پر کوئی بھی استدلال ہو سب سے پہلے اس سے وابستہ سوالوں کا منطقی جواب فراہم کرنا لازمی ہے تاکہ اس سلسلے میں آخری منزل تک پہونچ کر لاتردید اور بیشک کا مرحلہ بھی طے ہو جائے۔ تاریخ کے قدیم ترین ایام و ادوار سے لیکر آج تک خداشناسی کا مسئلہ ہمارے درمیان موجود ہے اور ہر دانشمند و فلسفی اور فنکار اس سلسلے میں اپنے مخصوص نظریہ کا حامل رہا ہے۔ دوسری عبارت میں یوں عرض کیا جاسکتا ہے: "الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق یا بعدد نفوس الخلائق۔"

استدلال کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک نوعی استدلال ہے مثلاً قوانین علیت، نظم، برہان فرائض، برہان فطرت، برہان کمالی اور دیگر تمام براہین جن میں سے دس نمونے بہت اہم ہیں جو استدلال کی دوسری قسم ذاتی ہے اور ان میں وہ استدلال شامل ہوتے ہیں جو ذاتی طور پر بعض افراد کو مطمئن کر دیتے ہیں۔ مثلاً زندگی میں بعض لوگ عمل اور رد عمل کا مشاہدہ کر کے ہی اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ وجود رکھتا ہے لیکن ان لوگوں کو عملی اور جسمانی دلائل کے ذریعہ یقین کرنے والوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ ان استدلالوں کو باقاعدہ طور پر فلسفیانہ تو نہیں کہا جاسکتا ہے لیکن اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ یہ استدلال درحقیقت استدلال حرکت یا کمال سے زیادہ موثر ہوئے ہیں۔

اسلام میں اخلاق کی بحث چھیڑنے سے پہلے ابتدائی مرحلہ میں ہی یہ جان لینا چاہئے کہ اسلامی اخلاق درحقیقت تابو اور توتم کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے اور اس میں معبود موہوم اور توتم پرستی (TOTEMISM) کا کوئی گزر نہیں ہے۔ اس ضمن میں پہلے اخلاق تابو کی کیفیت کا اندازہ لگانا بھی لازمی ہے۔ سماجی علوم اور فلسفۂ تاریخ میں اخلاق تابو وہ ہے جس میں علمی و منطقی مدارک و مآخذ سے الگ ہٹ کر کوئی چیز معاشرہ میں ممنوع یا واجب العمل تسلیم کرلی جائے اور ایک ہی وقت میں رونما ہونے والے دو واقعات

کسی معاشرہ میں سنت و روایت کی شکل میں ہمیشہ کے لئے رائج ہو جائیں۔ مثلاً بعض افریقی قبیلوں میں جب قبیلے کا سردار کھانا کھاتا ہے تو اس قبیلے کے تمام لوگوں پر یہ لازمی ہوا کرتا ہے کہ اس برتن کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں کیونکہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو مثلاً سیلاب یا کسی دوسری آفت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ نظریہ در حقیقت دو واقعات کے ایک ہی وقت میں رونما ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پس یہ کہا جاسکتا ہے کہ کبھی دو واقعات کے ایک ہی وقت میں رونما ہونے کی وجہ سے ایک طرح کے تابو اخلاق کا جنم ہوتا ہے اور اسلام میں ایسے اخلاق کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام میں جو بات کہی گئی ہے وہ "لاتمم مکارم الاخلاق ہے اور اس کا مقصد انسانی شخصیت کے استقلال و کمال کو ترقی عطا کرنا ہے۔ اب جبکہ دنیا میں انسان کی ذاتی شناخت کو ختم و نابود کرنے کی کوشش کی جارہی ہے یہ جاننا لازمی ہے کہ انسان کے اندر اخلاق ہی وہ چیز ہے جو انسانی ھویت کو عملی رنگ و روپ اور حقیقی شناخت کرتا ہے مثلاً ایک طویل مدت سے یہ بات معروف ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند نہ کرتے ہو، اسے دوسرے کے لئے بھی پسند نہ کرو۔" اور یہ بات ایک اخلاقی اصول کی حیثیت سے ہم لوگوں کے درمیان رائج چلی آرہی ہے اور آئندہ بھی یہ اسی طرح جاری رہے گا۔

اخلاق در حقیقت ثابت اور نا قابل تغیر اصول پر مبنی و منحصر ہے۔ مثلاً قدیم مصر کے عدالتی قوانین میں ہم دیکھتے ہیں کہ قاضی عدالت میں موجود ملزم کے خلاف عدالتی کارروائی شروع کرنے سے پہلے اس سے یہ سوال کرتا ہے کہ "تم ہم لوگوں سے جو کہو گے وہ تمہارے ضمیر و وجدان کے مطابق ہے یا نہیں؟ یہ ایک ایسا اخلاقی حادثہ ہے جو آج بھی انسانی سماج کے لئے نہایت عمدہ معیاری اور اہم ہے یعنی زبان و وجدان کے مطابق عمل انجام دینا بالخصوص ایسے وقت میں جب انسان عدالت کی میز کے سامنے کھڑا ہو کیونکہ دنیا میں صحیح قوانین کو عملی جامہ پہنانے کا وسیلہ وذریعہ یہی ہے۔ جب دو یکساں رجحان کے حامل افراد ایک دوسرے کے ساتھ مشترکہ زندگی بسر کرسکتے ہیں اور یہ امر اسی وقت ممکن ہے جب وہ لوگ ان رجحانات کو ہموار کرلیں اور اگر رجحانات ہموار نہ ہوں تو یہ مشترکہ زندگی نہیں بلکہ تصادم و ٹکراؤ ہوگا۔ بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان لامحدود انسانی تمایلات و رجحانات کو ہموار کرنے کی راہ میں عملی ابتداء کی حیثیت رکھتے ہیں اور جملہ قوانین و اصولوں کی ابتداء یہی ہے یعنی کچھ لوگوں کو صلح آمیز و پرامن زندگی اسی وقت نصیب ہوسکتی ہے جب وہ ناقابل عمل اور دور رس تمایلات و رجحانات سے علٰحدگی و کنارہ کشی اختیار کرلیں۔

جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے کہ یہی وہ عمل ہے جو دنیا میں جملہ قوانین کی بنیاد ہے۔ انسان اپنی سماجی زندگی کو دوام عطا کرنے میں لازمی مناسب ماحول کی ایجاد کے لئے قانونوں کی زنجیر تیار کرلیتا ہے۔

افریقی افسانوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً ایبو نامی ایک عورت کہتی ہے کہ یہ میرے اندر جو "میں" ہے، در حقیقت شائستہ و مناسب نہیں ہے اور اسے ایک شائستہ و مناسب "میں" کی تلاش ہے۔ پس آپ خود ہی دیکھ رہے ہیں کہ بشریت کا یہ ارمان ہر دور میں موجود رہا ہے اور اس ارمان کے پرانے اور فرسودہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ دوسری عبارت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ در حقیقت بشریت کا ارمان اس مجازی اور ظاہری "میں" سے الگ اپنے حقیقی "میں" کے ساتھ زندگی بسر کررہا ہے اور ریوری بایر کی کتاب "آفرینش افریقہ" میں بھی دکھائی دیتا ہے کہ یہ اصول اپنی جگہ پر قائم ہے اور اس نے انسانی ترقی میں نمایاں کردار بھی ادا کیا ہے۔

ماکس ارسطو کے عمدہ اخلاق میں اختیار کو بالکل اسی معنی و مفہوم میں بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ہم لوگ اس کا ذکر کرتے ہیں البتہ ہم لوگوں کی نظر میں اس نظریہ کا کچھ حصہ قابل قبول ضرور ہے۔ ہم انسان کی با عظمت شخصیت کی صفات میں یعنی عفت، حکمت، عدالت اور شجاعت میں تبدیلی پیدا کرسکتے ہیں اور مثلاً انسان کو شہد کی مکھی میں تبدیل کرسکتے ہیں اور وہ اس طرح سے بالکل ممکن ہے کہ ہم اپنے وجود کی حکمت و ضرورت کو ترک کردیں۔ اسی طرح تلقین کی خصلت جس طرح انسان میں شائستہ ترین صفات کو جنم دے سکتی ہے، بالکل اسی طرح اس میں انتہائی خراب اور شریر ترین کو قبول کرنے کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے۔ "خیالوں کی داستان" نامی کتاب میں موجودہ مغربی دنیا کے افلاطون "واسحد" کے حوالے سے یہ بات کہی گئی

ہے کہ "اسکندریہ میں علوم الٰہیات کے فلاسفہ وماہرین نے علم الٰہیات کی ایک ایسی قسم کی ایجاد کی تھی لیکن زمانہ کی رفتار کے ساتھ لوگوں میں علم کا غیر معمولی شوق پیدا ہو گیا۔" اب اس کے بعد جو جملہ بیان کیا گیا ہے اس کے بارے میں غور وفکر کی ضرورت ہے۔ "دوبارہ دنیا اپنی وضاحت وروشنائی سے محروم ہو چکی ہے کیونکہ دانشمندوں نے پیغمبروں پر سبقت حاصل کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء اپنے ثابت اصولی منصوبہ کے ساتھ دنیا کو روشنی عطا کرنا چاہتے تھے لیکن اس کے برعکس دانشمندوں نے اپنا ذاتی کام چھوڑ کر انحرافی راہ پر چلتے ہوئے انبیاء کی روشنی کو نابود کر دینا چاہا تھا۔ درحقیقت الٰہیات کے شعبہ میں ضمنی طور پر وہ ایک تاریخی مسئلہ پیش کرتے ہیں جو وہی اخلاق ہے۔

معنوی مفاہیم اور فلسفیانہ اعتقادات اور اس کے شانہ بشانہ طفلانہ افسانے ان بنیادی حقائق سے سرشار ہیں جو باستانی دور سے لیکر آج تک ہمارے درمیان رائج ہیں۔ اس طولانی مدت کے دوران جب انسان اپنے سماجی پہلو کی طرف غور وفکر کرتا ہے تو اس کے سامنے ایک ایسا اصول آجاتا ہے جو کسی تبدیلی کے بغیر باقی رہے گا مثلاً بعض ممالک میں کسی کا احترام کرنے لگتے ہیں تو لوگ سر سے ٹوپی اتار لیا کرتے ہیں جبکہ ہم لوگ سلام کرتے ہیں یا آنے والے کے احترام میں اپنی جگہ پر کھڑے ہو جایا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ بات واضح وثابت ہو جاتی ہے کہ لوگوں کے درمیان آنے والے شخص کا احترام اپنی جگہ پر قائم ہے اور اس کے اظہار کے طریقے البتہ مختلف ہو سکتے ہیں۔ اخلاقی اصول کی ثابت قدمی کو سبھی تسلیم کرتے ہیں البتہ ان اصولوں کی پیروی میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ آپ اصل احترام کو مندرجہ ذیل جملے کی مدد سے زیادہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ ہم یہ کہنے کے بجائے کے قرون وسطی کے فلاسفہ بیوقوف تھے اسی وجہ سے انہوں نے ارسطو اور افلاطون کی پیروی کی ہے، اگر اپنی بات کو اس انداز میں پیش کریں کہ "قرون وسطی کے مفکرین نے مغربی تمدن کے دو اہم یعنی ارسطو اور افلاطون سے اپنی والہانہ عقیدت کی وجہ سے ہم لوگوں کو اپنی ذاتی صلاحیت وکوشش کے نتائج سے محروم رکھا۔

پس اس مثال کی روشنی میں ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں جو اخلاقی اصول مشرق میں درکار ہیں انہیں مغرب میں بھی پسند کیا جاتا ہے۔

بزرگوں میں سے ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ جب میں قید خانہ میں تھا تو جس وقت ظالمین ہماری کوٹھری میں داخل ہوتے تھے تو ان کی آنکھوں میں ذرہ برابر بھی رحم ومروت نہیں دکھائی دیتی تھی اور آپ انہیں ایک فطری ظالم کا نام دے سکتے تھے اگرچہ فطری ظالم نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہوتی ہے کیونکہ ان لوگوں کے ساتھ کچھ دنوں تک اٹھنے بیٹھنے اور انسانی اصول کے بارے میں بحث وگفتگو کے بعد ان ظالموں میں ان کے ضمیر ووجدان کی جھلک بالکل اس طرح دکھائی دینے لگی جیسے کنویں کی گہرائی میں پانی کی چمک صاف ظاہر ہونے لگتی ہے یعنی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان شائستہ زندگی کی خوراک سے کس طرح لطف اندوز ہوتا ہے اور اس سے اس کے ضمیر ووجدان کا ثبات بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اخلاق کے اعلیٰ اصول ہمیشہ سے موجود رہے ہیں مثلاً جب یہ کہتے ہیں کہ علم بایولوجی کی غیر معمولی ترقی کے باوجود کرومانیون نے چالیس ہزار سال یا چار لاکھ سال سے کوئی تبدیلی نہیں اختیار کی ہے تو ہم اپنے اس بیان سے مذکورہ بالا خیال کی تائید کریں گے کہ صدیاں گزرتی رہیں لیکن اخلاقی اصول میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ مجموعی اعتبار سے زندگی کے قوانین وہی سابقہ قوانین ہیں لیکن جو چیز تبدیل ہوتی ہے وہ ظاہری تبدیلی ہے۔ اسلامی محور پر قائم زندگی ثابت الٰہی احکام کی حامل ہے جسمیں کسی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے البتہ یہ اس کے مصادیق ہیں جن میں جزیاتی تبدیلی ممکن ہے یعنی زمانہ کے لحاظ سے وقت کے تقاضہ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ثابت احکام کے جزئیات میں تبدیلی ہو جاتی ہے مثلاً حصیر پر بیٹھنے کے بجائے کرسی پر بیٹھنا۔ (باقی آئندہ)

علامہ محمد تقی جعفری کی تالیفات وتحقیقات

۱- امر بین الامرین فی الجبر والتفویض۔ انتشارات حیدریہ، نجف ۱۳۷۱ھ ق۔

۲- الرضاع، انتشارات حیدریہ، نجف ۱۳۷۳ھ ق۔

۳- تعاون الدین والعلم۔ ناشر مرحوم آقای حاج سید علی فلیلی، تہران، ۱۳۷۸ھ ق۔

۴-ارتباط انسان وجہان ۔ در ۳ جلد، انتشارات دار الکتب اسلامیہ، تہران ۱۳۳۷ھ ش۔

۵-وجدان۔ انتشارات اسلامی، تہران ۱۳۴۲ھ ش۔ چاپ دوم ۱۳۷۶ھ ش۔

۶-توضیح وبررسی مصاحبہ بر تراندراسل (برتراند رسل)۔ روایت، کتابخانہ مرتضوی، تہران ۱۳۴۲ھ ش

۷-جبر واختیار۔ شرکت انتشار، تہران ۱۳۴۴ھ ش

۸-آفرینش انسان۔ شرکت انتشار، تہران ۱۳۴۴ھ ش۔

۹-علم در خدمت انسان۔ شرکت انتشارات، تہران ۱۳۴۴ھ ش۔

۱۰-طبیعت وماوراء الطبیعت۔ شرکت انتشارات۔ تہران ۱۳۴۴ھ ش۔

۱۱-اخلاق ومذہب۔ شرکت انتشارات، تہران ۱۳۴۴ھ ش۔

۱۲-رابطہ علم وحقیقت ۔انتشارات سروش، تبریز ۱۳۴۵ھ ش۔

۱۳- نیایش حسینؑ در عرفات۔ انتشارات شمس تہران ۱۳۴۷ھ ش۔ چاپ دوم ۱۳۷۶ھ ش۔

۱۴-منابع فقہ، شرکت انتشار، تہران ۱۳۴۹ھ ش۔

۱۵-انسان در افق قرآن۔ انتشارات جہان اسلام اصفہان ۱۳۴۹ھ ش۔

۱۶-نقد وبررسی برگزیدہ افکار راسل ۔ترجمہ دکتر عبدالرحیم گواہی۔ شرکت انتشار، تہران ۱۳۵۰ھ ش۔ چاپ سوم ۱۳۷۰ھ ش۔

۱۷-ایدہ آل زندگی وزندگی ایدہ آل۔ انتشارات حقیقت، تہران ۱۳۵۲ھ ش۔

۱۸-نگاہی بہ امام علیؑ ۔ انتشارات نور، تہران ۱۳۵۳ھ ش۔

۱۹-تفسیر نقد وتحلیل مثنوی۔ در ۱۵ مجلد۔ انتشارات اسلامی، تہران ۷۵-۱۳۵۷ھ ش۔

۲۰-مجموعہ مقالات۔ انتشارات فجر، تہران ۱۳۵۷ھ ش۔

۲۱-حرکت وتحول از دیدگاہ قرآن۔ انتشارات قلم، تہران ۱۳۵۷ھ ش۔

۲۲-مولوی وجہان بینی ھا۔ انتشارات بعثت، تہران ۱۳۵۷ھ ش۔

۲۳-ترجمہ وتفسیر نہج البلاغہ در ۲۶ مجلد۔ دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران ۷۵-۱۳۵۷ھ ش۔

۲۴-فلسفہ وھدف زندگی۔ انتشارات صدر، تہران ۱۳۵۹ھ ش۔

۲۵-طرحھای در انقلاب فرہنگی۔ انتشارات پیشواء، تہران ۱۳۵۹ھ ش۔

۲۶-علم از دیدگاہ اسلام۔ سازمان پژوھشھای علمی و صنعتی، تہران ۱۳۶۰ھ ش۔

۲۷-شناخت از دیدگاہ علمی واز دیدگاہ قرآن۔ دفتر نشر فرہنگ اسلامی ۱۳۶۰ھ ش۔

۲۸-حیات معقول۔ انتشارات سیمای نور، تہران ۱۳۶۰ھ ش۔

۲۹-شناخت انسان در تصعید حیات تکاملی۔ انتشارات امیر کبیر، تہران ۱۳۶۲ھ ش۔

۳۰-از دریا بہ دریا (کشف الابیات مثنوی)۔ در ۴ مجلد۔ انتشارات وزارت ارشاد، تہران ۱۳۶۴ھ ش۔

۳۱-فلسفہ زیبائی وہنر از دیدگاہ اسلام ۔انتشارات وزارت ارشاد، تہران ۱۳۶۴ھ ش ۔چاپ سوم ۱۳۷۵ھ ش۔

۳۲-تحلیل شخصیت خیام۔ انتشارات کیہان، تہران ۱۳۶۸ھ ش۔

۳۳-علم ودین در حیات معقول۔ کانون علم ودین۔ تہران۔ ۱۳۶۹ھ ش۔

۳۴-کیفر سرقت در اسلام ۔انتشارات اسلامی، تہران ۱۳۶۹ھ ش۔

۳۵-حکمت اصول سیاسی در اسلام۔ بنیاد نہج البلاغہ، تہران۔ ۱۳۶۹ھ ش۔

۳۶-حکمت، عرفان واخلاق در شعر نظامی۔ انتشارات کیہان، تہران ۱۳۷۰ھ ش۔

۳۷-اعلامیہ جہان حقوق بشر از دیدگاہ اسلام وغرب۔ انتشارات دفتر خدمات حقوقی بین المللی، تہران ۱۳۷۰ھ ش۔

۳۸-بقاء در قرن بیست وکیم (نقد وبررسی بیانیہ وانکوور)۔ کمیسیون ملی یونسکو، تہران ۱۳۷۱ھ ش۔

۳۹-سرگذشت اندیشہ ھا، تالیف الفرد نورث وایتھد، ترجمہ دکتر عبدالرحیم گواہی، بررسی ونقد از استاد جعفری ۷۱-۱۳۷۰ھ ش۔

۴۰-تحقیقی در فلسفہ علم۔ انتشارات علمی دانشگاہ صنعتی شریف، تہران ۱۳۷۲ھ ش۔

۴۱-تکاپوی اندیشہ ھا (مجموعہ مصاحبہ ھای استاد)۔ در ۲ مجلد۔ بہ کوشش علی رافعی، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران ۱۳۷۳ھ ش۔

۴۲-عرفان اسلامی ۔انتشارات علمی دانشگاہ صنعتی شریف تہران، ۱۳۷۳ھ ش۔

۴۳- فرہنگ پیرو، فرہنگ پیشرو۔ انتشارات علمی و فرہنگی، تہران ۱۳۷۳ھ ش۔

۴۴-بررسی ونقد نظریات ھیوم در چہار مسئلہ فلسفی۔ دانشگاہ علم وصنعت۔ تہران۔ ۱۳۷۴ھ ش۔

۴۵-فلسفہ دین۔ در ۲ مجلد۔ پژوھشگاہ فرہنگ واندیشہ اسلامی، تہران ۱۳۷۵ھ ش۔

۴۶- عوامل جذابیت سخنان مولوی۔ دانشگاہ تبریز، تہران ۱۳۷۶ھ ش۔